اصول ترجمہ قرآن کریم
RA
محمد عبدالحکیم شرف قادری
رضا اکیڈمی
رجسٹرڈ لاہور (پاکستان)

اصول ترجمہ قرآن کریم

محمد عبدالحکیم شرف قادری

یہ مقالہ ۶ جنوری ۱۹۹۱ء کو اتفاق اسلامک سینٹر
لاہور کے زیر اہتمام دورۂ تفسیر قرآن کی ایک
نشست میں بصورت درس پیش کیا گیا۔

...... ناشر......

رضا اکیڈمی مسجد رضا، محبوب روڈ، چاہ میراں، لاہور

سلسلہ اشاعت ۱۰۶

مقالہ	....	اصول ترجمہ قرآن کریم
تحریر	....	محمد عبدالحکیم شرف قادری
صفحات	....	۲۴
کمپوزنگ	....	ایم یو کمپوزنگ سنٹر، ہجویری
	....	مارکیٹ ۱۱۵ میکلوڈ روڈ لاہور۔
تعداد	....	گیارہ سو
اشاعت	....	رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۶ء
ناشر	....	رضا اکیڈمی لاہور۔
ہدیہ	....	دعائے خیر برائے معاونین

بذریعہ ڈاک طلب کرنے والے حضرات پانچ روپے کے ٹکٹ ارسال کریں

☆..... ملنے کا پتہ .....☆

رضا اکیڈمی (رجسٹرڈ) مسجد رضا، محبوب روڈ چاہ میراں، لاہور۔ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰے خُصُوْصًا عَلٰی اَفْضَلِ الْخَلْقِ وَ سَیِّدِ الرُّسُلِ مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ اُوْتِیَ الْقُرْآنَ وَالسَّبْعَ الْمَثَانِیْ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ o

حضرات گرامی! میرے لئے یہ امر باعث سعادت ہے کہ مبلغ اسلام مولانا سید ریاض حسین شاہ صاحب مدظلہ نے مجھے اس مبارک محفل میں اصول ترجمۂ قرآن کریم کے عنوان پر گفتگو کا موقع فراہم کیا ہے، اللہ تعالیٰ اسے میرے لئے اور آپ حضرات کے لئے باعث فائدہ و برکت بنائے۔

اصل موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم، تفسیر اور ترجمہ کے معانی اور تعریفات ذکر کر دی جائیں تاکہ اصل مطلب کے سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی رہے۔

قرآن کریم

عربی لغت میں قرآن، قراءت کا ہم معنی مصدر ہے، جس کا معنی پڑھنا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَ قُرْآنَہٗ فَاِذَا قَرَأْنَاہُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَہٗ ○

"بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے، تو جب ہم اسے پڑھ چکیں اس وقت پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔ (کنزالایمان)

پھر معنی مصدری سے نقل کر کے اللہ تعالیٰ کے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کئے ہوئے معجز کلام کا نام قرآن رکھا گیا' یہ مصدر کا استعمال ہے مفعول کے معنی میں' جیسے خلق بمعنی مخلوق عام طور پر آتا ہے۔

(محمد عبدالعظیم زرقانی' مناهل العرفان' داراحیاء الکتب العربیہ' مصر ج ۱ ص ۷)

تفسیر

عربی زبان میں تفسیر کا معنی ہے واضح کرنا اور بیان کرنا' اسی معنی میں کلمۂ تفسیر کا اطلاق سورۂ فرقان کی اس آیت میں آیا ہے۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۝ (الفرقان ۲۵/۳۳)

"اور کوئی کہاوت تمہارے پاس نہ لائیں گے مگر ہم تمہارے پاس حق اور اس سے بہتر بیان لے آئیں گے۔"

اصطلاحی طور پر تفسیر وہ علم ہے جس میں انسانی طاقت کے مطابق قرآن پاک سے بحث کی جاتی ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی مراد پر دلالت کرتا ہے۔

جب یہ کہا گیا کہ تفسیر میں قرآن کریم سے بحث ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مراد پر دلالت کرنے کے اعتبار سے' تو اس قید سے درج ذیل علوم خارج ہو گئے' انہیں تفسیر نہیں کہا جائے گا۔

۱۔ علم قراءۃ : اس علم میں قرآن کریم کے احوال ہی سے بحث

ہوتی ہے، لیکن قرآن پاک کے کلمات کے ضبط اور ان کی ادائی کی کیفیت پیش نظر ہوتی ہے۔

۲۔ علم رسم عثمانی : اس علم میں قرآن کریم کے الفاظ کی کتابت سے بحث کی جاتی ہے۔

۳۔ علم کلام : اس میں بحث کی جاتی ہے کہ قرآن پاک مخلوق ہے یا نہیں۔

۴۔ علم فقہ : اس میں بحث کی جاتی کہ حیض و نفاس اور جنابت کی حالت میں اس کا پڑھنا حرام ہے۔

(محمد عبدالعظیم زرقانی، علامہ : مناہل العرفان، ج ا، ص ۱۷ ۔ ۴۷۰)

۵۔ علم صرف : اس میں کلمات کی ساخت سے بحث ہوتی ہے۔

۶۔ علم نحو : اس میں کلمات کے معرب و مبنی ہونے اور ترکیب کلمات سے بحث ہوتی ہے۔

۷۔ علم معانی : اس میں کلامِ فصیح کے موقع و محل کے مطابق ہونے سے بحث کی جاتی ہے۔

۸۔ علم بیان : اس میں ایک مطلب کو مختلف طریقوں سے بیان کرنے کی بحث ہوتی ہے۔

۹۔ علم بدیع : اس میں وہ امور زیر بحث آتے ہیں جن کا تعلق الفاظ کے حسن و خوبی سے ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ صرف علم تفسیر ہی وہ علم ہے جس میں طاقت انسانی کے مطابق قرآن پاک کے ان معانی اور مطالب کو بیان کیا جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہیں۔

طاقت انسانی کی قید کا مطلب یہ ہے کہ متشابہات کے مطالب اور اللہ تعالیٰ کی واقعی مراد کا معلوم نہ ہونا علم تفسیر کے خلاف نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی مراد اسی حد تک بیان کی جائے گی جہاں تک انسانی طاقت اور علم ساتھ دے گا

وہ علوم جن کی مفسّر کو حاجت ہے

علماء اسلام نے مفسّر کے لئے درج ذیل علوم میں مہارت لازمی قرار دی ہے۔

(۱) لغت (۲) صرف (۳) نحو (۴) علوم بلاغت (۵) اصول فقہ (۶) علم التوحید (۷) اسباب نزول کی معرفت (۸) قصص (۹) ناسخ و منسوخ (۱۰) قرآن کریم کے مجمل اور مبہم کو بیان کرنے والی احادیث (۱۱) علم وہبی۔

وہبی علم

عالم باعمل کو عطا کیا جاتا ہے، جس شخص کے دل میں بدعت، تکبر، دنیا کی محبت یا گناہوں کی طرف میلان ہو، اسے علم وہبی سے نہیں نوازا جاتا ارشاد ربانی ہے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۝ (۷/۱۴۶)

"اور میں اپنی آیتوں سے انہیں پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق بڑائی چاہتے ہیں۔"

امام شافعی فرماتے ہیں۔

شَکَوتُ اِلٰی وَکِیعٍ سُوءَ حِفظِی
فَاَرشَدَنِی اِلٰی تَرکِ المَعَاصِی

وَاَخبَرَنِی بِاَنَّ العِلمَ نُورٌ
وَ نُورُ اللّٰهِ لَایَهدِیٰ لِعَاصِی

- میں نے امام وکیع کے پاس حافظے کی خرابی کی شکایت کی' تو انہوں نے مجھے گناہوں کے ترک کرنے کی ہدایت فرمائی۔
- اور مجھے بتایا کہ علم نور ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور گنہگار کو عطا نہیں کیا جاتا۔

یہ علوم اور ان کے علاوہ دیگر شرائط تفسیر کے اعلیٰ مراتب کے لئے ضروری ہیں' عمومی طور پر اتنا علم کافی ہے جس سے قرآن پاک کے مطالب اجمالی طور پر سمجھے جا سکیں اور انسان اپنے مولائے کریم کی عظمت سے آگاہ ہو سکے۔

تفسیر کے اعلیٰ مراتب کے لئے چند امور نہایت ضروری ہیں :

۱ - قرآن کریم میں واقع کلمات مفردہ کی تحقیق' لغت عربی کے استعمالات کے مطابق کی جائے' کسی بھی محقق کو چاہیے کہ کلماتِ قرآن کی تفسیر ان معانی سے کرے جن میں وہ کلمات نزول قرآن کے زمانے میں استعمال ہوتے تھے' بہترین طریقہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ یہ لفظ قرآن پاک کے مختلف مقامات پر کن معانی میں آیا ہے' پھر سیاق و سباق اور موقع محل کے مطابق اس کا معنیٰ بیان کیا جائے' قرآن پاک کی بہترین تفسیر وہ ہے جو خود قرآن پاک سے کی جائے۔

۲ - بلغاء کے کلام کا وسیع اور گہرا مطالعہ کر کے ان کے کلام کے بلند پایہ اسالیب، نکات اور محاسن کی معرفت حاصل کی جائے اور متکلم کی مراد تک رسائی حاصل کی جائے، اس طریقے سے ہم اللہ تعالیٰ کی مراد مکمل طور پر سمجھنے کا دعویٰ تو نہیں کر سکتے، تاہم کلام الٰہی کے مطالب تک اس قدر رسائی حاصل کی جا سکتی ہے جس سے ہم ہدایت حاصل کر سکیں، اس سلسلے میں علم نحو، معانی اور بیان کی حاجت ہے، لیکن صرف ان علوم کے پڑھ لینے سے کام نہیں چلے گا، بلکہ ان علوم کی روشنی میں بلغاء کے کلام، قرآن کریم اور حدیث شریف کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

۳ - اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں مخلوق کے بہت سے احوال اور ان کی طبیعتوں کا بیان کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ان کے بارے میں کیا رہا؟ سابقہ امتوں کے بہترین واقعات اور ان کی سیرتیں بیان کی ہیں، اس لئے قرآن پاک کا مطالعہ کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ سابقہ قوموں کے ادوار اور اطوار سے واقف ہو اور اسے معلوم ہو کہ طاقتور کون تھا اور کمزور کون؟ اسی طرح عزت کس کو ملی اور ذلت کسے نصیب ہوئی؟ علم اور ایمان کس کے حصے میں آیا اور کفر و جہل کس کو ملا؟ نیز عالم کبیر یعنی عناصر (آگ، ہوا، پانی اور مٹی) اور افلاک کے احوال سے باخبر ہو، اس مقصد کے لئے بہت سے فنون درکار ہیں، ان میں سے اہم، علم تاریخ اپنے تمام شعبوں سمیت ہے۔

قرآن پاک میں امم سابقہ، سنن الٰہیہ اور اللہ تعالیٰ کی ان آیات کا اجمالاً ذکر کیا گیا ہے جو آسمانوں اور زمین، آفاق اور نفوس

میں پائی جاتی ہیں، یہ اس ہستی کا بیان کردہ اجمال ہے جس کا علم ہر شے کو احاطہ کئے ہوئے ہے، اس نے ہمیں غور و فکر اور زمین میں سیر کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ ہم اس کے اجمال کی تفصیل کو سمجھ کر ترقی کے زینے طے کر سکیں، اب اگر ہم کائنات پر ایک سرسری نظر ڈالنا ہی کافی جان لیں تو یہ ایسے ہی ہو گا جیسے کہ ایک شخص کسی کتاب کی جلد کی رنگینی اور دلکشی کو دیکھ کر خوش ہو جائے اور اس علم و حکمت سے غرض نہ رکھے جو اس کتاب میں ہے۔

۴۔ فرض کفایہ ادا کرنے والے مفسر پر لازم ہے کہ وہ یہ حقیقت معلوم کرے کہ قرآن پاک نے تمام انسانوں کو کس طرح ہدایت دی، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تمام انسان خواہ عربی ہوں یا عجمی کس حال میں تھے؟ کیونکہ قرآن پاک کا اعلان ہے کہ سب لوگ گمراہی اور بدبختی میں مبتلا تھے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان سب کی ہدایت و سعادت کے لئے مبعوث ہوئے تھے، اگر مفسر اس دور کے انسانوں کے حالات (عقائد و معمولات) سے کماحقہ آگاہ نہیں ہو گا تو قرآن مجید نے ان کی جن عادتوں کو قبیح قرار دیا ہے، انہیں مکمل طور پر کیسے جان سکے گا؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص احوال جاہلیت سے جس قدر زیادہ جاہل ہے اس کے بارے میں اتنا ہی زیادہ خوف ہے کہ وہ اسلام کی رسی کو تار تار کر دے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص اسلام کی آغوش میں پیدا ہوا، پلا بڑھا

اور اسے پہلے لوگوں کے حالات معلوم نہیں ہیں تو اسے پتا نہیں چلے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت و عنایت نے کس طرح انقلاب برپا کیا اور کس طرح انسانوں کو گمراہی اور جہالت کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے جگ مگ راستے پر کھڑا کر دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا وسیع مطالعہ ہونا چاہیے' نیز صحابۂ کرام کی سیرتوں سے بخوبی آگاہ ہونا چاہیے اور پتا ہونا چاہیے کہ صحابۂ کرام علم و عمل کے کس مرتبے پر فائز تھے اور دنیاوی و اخروی معاملات کس طرح انجام دیتے تھے ؟

(محمد عبدالعظیم زرقانی' علامہ : مناہل العرفان ج ۱ ص ۲۲ - ۵۱۹)

ترجمہ..... عربی لغت کی روشنی میں

عربی زبان میں لفظ " ترجمہ " چار معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ اس شخص تک کلام کا پہنچانا جس تک کلام نہیں پہنچا' ایک شاعر نے لفظ ترجمہ اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔

اِنَّ الثَّمَانِيْنَ وَ بَلَغْتُهَا
قَدْ اَحْوَجَتْ سَمْعِيْ اِلٰى تَرْجُمَانِ

(ترجمہ) بے شک میں اسی سال کی عمر کو پہنچ چکا ہوں' اس عمر نے مجھے ترجمان کا محتاج بنا دیا ہے' (یعنی مجھے مخاطب کی بات سنائی نہیں دیتی' اس لئے میں ایسے شخص کا محتاج ہوں جو خاص طور پر مجھے وہ بات سمجھائے)

۲ - کلام جس زبان میں ہے اسی زبان میں اس کی تفسیر کرنا' اسی معنی کے اعتبار سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ترجمان القرآن کہا جاتا ہے۔

۳ - کسی دوسری زبان میں کلام کی تفسیر کرنا' لسان العرب اور قاموس میں ہے کہ ترجمان: کلام کے مفسر کو کہتے ہیں' "شارح قاموس" نے "جوہری" کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ تَرْجَمَهٗ وَ تَرْجَمَ عَنْهُ کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے کلام کا مطلب دوسری زبان میں بیان کرے۔

البتہ تفسیر ابن کثیر اور تفسیر بغوی سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ترجمہ' عربی زبان میں مطلقاً بیان کرنے کو کہتے ہیں' خواہ اسی زبان میں ہو جس میں اصل کلام ہے یا دوسری زبان میں۔

۴ - کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان کی طرف نقل کرنا' لسان العرب میں ترجمان (پہلے حرف پر پیش یا زبر) وہ شخص ہے جو کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان کی طرف نقل کرے۔

قاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترجمان کا تلفظ تین طرح کیا جاسکتا ہے۔ (۱) تاء اور جیم دونوں پر پیش (تُرْجُمان) (۲) دونوں پر زبر (تَرْجَمان) (۳) تاء پر زبر اور جیم پر پیش (تَرْجُمان)۔

چونکہ ان چاروں معنوں میں بیان پایا جاتا ہے' اس لئے وسعت دیتے ہوئے ان چار معنوں کے علاوہ ہر اس چیز پر ترجمہ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جس میں بیان ہو' مثلاً کہا جاتا ہے تَرْجَمَ لِهٰذَا الْبَابِ بِكَذَا یعنی مصنف نے اس باب کا یہ عنوان مقرر کیا' "تَرْجَمَ لِفُلَانٍ" فلاں

شخص کا تذکرہ لکھا " تَرْجَمَۃُ هٰذَا الْبَابِ کَذَا " اس باب کا مقصد اور خلاصہ یہ ہے۔

(محمد عبدالعظیم زرقانی: مناهل العرفان ج ۲ ص ۶ - ۵)

یاد رہے کہ تَرْجَمَۃٌ رباعی مجرد کے باب فعللة سے ہے، اس لئے ترجمہ کرنے والے کو مُتَرْجِمْ اور قرآن پاک کو مُتَرْجَمْ کہا جائے گا، مترجم اور مترجم میں جیم کو مشدد پڑھنا غلط ہے۔

ترجمہ کا عرفی معنی

لغوی اعتبار سے لفظ ترجمہ چار معنوں میں استعمال ہوتا ہے، جن کا ذکر ابھی ابھی کیا گیا ہے۔ عرف عام میں لفظ ترجمہ سے چوتھا معنی مراد لیا جاتا ہے یعنی ایک کلام کا معنی کسی دوسری زبان میں بیان کرنا۔

علامہ محمد عبدالعظیم زرقانی کہتے ہیں کہ ترجمہ کا عرفی معنی یہ ہے کہ کلام ایک زبان میں ہو اور اس کا مطلب دوسری زبان میں اس طرح بیان کیا جائے کہ اس کلام کے تمام معانی اور مقاصد بھی ادا کر دیئے جائیں، (مناهل العرفان ج ۲ ص ۷) اور ظاہر ہے کہ کسی بھی کلام کا اور خاص طور پر قرآن مجید کا ایسا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا، جس میں اصل کلام کے تمام معانی اور مقاصد ادا کر دیئے جائیں، اس لئے علامہ محمد عبدالعظیم زرقانی قرآن پاک کے ترجمہ کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تفسیر میں اصل کلام کے تمام معانی کا ادا کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ بعض مقاصد کا بیان کرنا کافی ہے، (مناهل العرفان ج ۲ ص ۶ - ۵) اس لئے قرآن پاک کی تفسیر تو کی جاسکتی ہے، ترجمہ نہیں کیا جاسکتا۔

دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا گیا ہے اور کوئی

بھی ترجمہ کرنے والا یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں نے قرآن مجید کے تمام معانی اور مقاصد کو اپنی زبان میں منتقل کر دیا ہے، اور یہ ہو بھی نہیں سکتا، تو اس بحث کی حاجت ہی نہیں رہتی کہ ایسا ترجمہ جائز ہے یا نہیں؟ اس سے پہلے لسان العرب اور شرح قاموس کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ ترجمہ کا مطلب ایک کلام کے معنیٰ کو دوسری زبان میں بیان کرنا ہے، یہ قید علامہ زرقانی نے اپنی طرف سے لگائی ہے کہ اصل کلام کے تمام معانی اور مقاصد بھی ادا کئے جائیں، ظاہر ہے کہ اس قید کے اضافے میں ان سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا، جو شخص بھی قرآن مجید کا ترجمہ کرے گا وہ بعض معانی اور مقاصد ہی کو بیان کرے گا، اگر ایسے ترجمہ کو تفسیری ترجمہ کہا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اقسام ترجمہ : عرفی معنیٰ کے لحاظ سے ترجمہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) لفظی (۲) تفسیری

لفظی ترجمہ میں اصل کلام کے کلمات کی ترتیب کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، اور ایک ایک کلمہ کی جگہ اس کا ہم معنیٰ لفظ رکھ دیا جاتا ہے، جیسے کہ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی اور تفسیر نعیمی میں مفتی احمد یار خان نعیمی اور تفسیر الحسنات میں علامہ سید ابوالحسنات قادری نے کیا ہے، اس ترجمہ کو حرفی ترجمہ بھی کہا جاتا ہے۔

تفسیری ترجمہ میں تحت اللفظ ایک ایک کلمہ کا ترجمہ نہیں کیا جاتا، بلکہ مطالب و معانی کو عام فہم انداز میں پیش کیا جاتا ہے، اسے معنوی ترجمہ اور تفسیری ترجمہ کہا جاتا ہے، یہ ترجمۂ تفسیر تو نہیں ہے جیسے کہ آئندہ سطور میں بیان کیا جائے گا، لیکن مقاصد کو عام فہم انداز میں پیش

کرنے کے اعتبار سے تفسیر کے مشابہ ضرور ہے۔

ترجمہ اور تفسیر میں فرق

ترجمہ لفظی ہو یا تفسیری، وہ تفسیر سے الگ چیز ہے، ترجمہ اور تفسیر میں متعدد وجوہ سے فرق ہے۔

۱۔ ترجمہ کے کلمات مستقل حیثیت رکھتے ہیں، یہاں تک کہ ان کلمات کو اصل کی جگہ رکھا جاسکتا ہے۔ جبکہ تفسیر ہمیشہ اپنے اصل سے متعلق ہوتی ہے، مثلاً ایک مفرد یا مرکب لایا جاتا ہے، پھر اس کی شرح کی جاتی ہے اور شرح ایسی ہوتی ہے جس کا تعلق اصل کے ساتھ ایسے ہوتا ہے جیسے کہ خبر کا مبتدا کے ساتھ، پھر دوسری جز کی اسی طرح شرح کی جاتی ہے، ابتداء سے انتہاء تک یہی سلسلہ جاری رہتا ہے، تفسیر اپنے اصل سے اس طرح متعلق ہوتی ہے کہ اگر تفسیر کو اصل سے جدا کر دیا جائے، تو وہ بے معنی ہو کر رہ جائے گی، اسے اصل کی جگہ بھی نہیں رکھا جاسکتا۔

۲۔ ترجمہ میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ترجمہ تو اصل کی نقل ہے، اس لئے ہونا یہ چاہئے کہ نقل کسی کمی بیشی کے بغیر اصل کے مطابق ہو، برخلاف تفسیر کے کہ اس میں اصل کی وضاحت ہوتی ہے، مثلاً بعض اوقات مفسّر کو الفاظ لُغویہ کی شرح کی ضرورت پیش آئے گی، خصوصاً اس وقت جبکہ ان کے وضعی معانی مراد نہ ہوں، کہیں دلائل پیش کئے جائیں گے، اور کہیں حکمت بیان کی جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ اکثر تفسیروں میں لُغوی، اعتقادی، فقہی اور

اصولی مباحث بیان کی جاتی ہیں، کائناتی اور اجتماعی مسائل زیر بحث لائے جاتے ہیں، اسباب نزول اور ناسخ و منسوخ کا ذکر کیا جاتا ہے، جبکہ ترجمہ میں ان مباحث و مسائل کی گنجائش نہیں ہوتی۔

۳ - عرفی ترجمہ میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اصل کلام کے تمام معانی اور مقاصد بیان کر دیئے گئے ہیں (یہ علامہ محمد عبدالعظیم زرقانی کی ذاتی رائے ہے) لیکن تفسیر میں صرف وضاحت مقصود ہوتی ہے، خواہ اجمالا ہو یا تفصیلا تمام معانی اور مقاصد پر مشتمل ہو یا بعض پر، اس کا دار و مدار ان حالات پر ہے جن میں مفسر گزر رہا ہے، اور ان لوگوں کی ذہنی سطح پر ہے جن کے لئے تفسیر لکھی گئی ہے۔

۴ - عرف عام کے مطابق ترجمہ میں اس اطمینان کا دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مترجم کے نقل کردہ تمام معانی اور مقاصد، اصل کلام کے مدلول اور قائل کی مراد ہیں، تفسیر میں یہ دعویٰ نہیں کیا جاتا، بعض اوقات مفسر دلائل کے پیش نظر اطمینان اور وثوق کا دعویٰ کرتا ہے، اور جب اسے قوی دلائل میسر نہیں ہوتے تو وہ اطمینان کا دعویٰ نہیں کرتا، کبھی وہ بعض احتمالات کا ذکر کرتا ہے، کبھی چند احتمالات ذکر کر دیتا ہے جن میں سے بعض کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، بعض اوقات وہ تصریح یا ترجیح سے گریز کرتا ہے اور کبھی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ کسی کلمے یا جملے کے بارے میں کہہ دیتا ہے کہ اس کا قائل ہی بہتر جانتا ہے کہ اس سے مراد کیا ہے؟ جیسے کہ بہت سے مفسرین حروف مقطعات اور قرآنی متشابہات کے بارے میں کہہ دیتے ہیں۔

(محمد عبدالعظیم زرقانی، علامہ: مناهل العرفان ج ۲ ص ۱۲ - ۱۰)

اس جگہ اس موقف کا اعادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کرنے والے علماء کا یہ موقف ہرگز نہیں ہوتا کہ ہم قرآن پاک کے تمام معانی اور مطالب کو دوسری زبان میں منتقل کر رہے ہیں، کیونکہ ایسا کرنا ممکن ہی نہیں اور انسانی طاقت سے باہر ہے۔

وہ چند امور جن کے بغیر ترجمہ نہیں کیا جاسکتا

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مفسر کے لئے کن علوم میں دسترس ضروری ہے؟ قرآن مجید کے ترجمہ کے لئے بھی ان علوم میں مہارت لازمی ہے، ان کے علاوہ مترجم کے لئے جو امور ضروری ہیں، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱ ۔ مترجم کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس زبان میں ترجمہ کر رہا ہے اس زبان اور عربی لغت کے معانی وضعیہ سے آگاہ ہو، اسے معلوم ہو کہ کون سا لفظ کس معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے؟

۲ ۔ اسے دونوں زبانوں کے اسالیب اور خصوصیات کا بھی پتا ہو۔

۳ ۔ کسی آیت کے متعدد مطالب ہوں تو ان میں سے راجح مطلب کو اختیار کرے۔

۴ ۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کو پیش نظر رکھے اور ترجمہ میں کوئی ایسا لفظ نہ لائے جو بارگاہ الٰہی کے شایان شان نہ ہو، مثلاً اس آیت کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ○

"البتہ منافق دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان

کو دغا دے گا۔ (سورۃ النساء ۱۴۲)

اللہ تعالٰی کی طرف دغا کی نسبت کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے' اس لئے اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔

" بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دینا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا۔

(کنزالایمان)۔

منافقین اللہ تعالٰی کو دغا نہیں دے سکتے کیونکہ وہ تو عالم الغیب والشھادۃ ہے' وہ ہر ظاہر اور مخفی امر کو جانتا ہے' اسے کون دھوکہ دے سکتا ہے ؟ ہاں ! منافقین دھوکہ دینے کی اپنی سی کوشش کرتے ہیں' اگرچہ انہیں اس میں کامیابی نہیں ہو سکتی " وَهُوَ خَادِعُهُمْ " کا کتنا عمدہ اور صحیح ترجمہ ہے' کہ وہ انہیں غافل کر کے مارے گا' یہ معنی نہیں کہ وہی ان کو دغا دے گا۔

۵ - مقام انبیاء علیہم السلام کی عظمت اور تقدس کو ملحوظ رکھا جائے' ارشاد ربانی ہے۔

حَتّٰى اِذَا اسْتَایْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا ○ (سورۃ یوسف ۱۲ / ۱۱۰)

" اس آیت کا ترجمہ بعض لوگوں نے یہ کیا۔"

" یہاں تک کہ جب ناامید ہو گئے رسول' اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا۔"

اس ترجمہ میں دو باتیں قابل غور ہیں۔

۱ - رسولان گرامی کی طرف مایوسی کی نسبت کی گئی ہے حالانکہ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے۔

اِنَّهٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ

"بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر کافر لوگ۔" (سورۃ یوسف ۱۲ / ۸۷)

۲۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی نسبت کہا گیا۔

"اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا"

معاذ اللہ! انبیاء کرام معصوم ہیں ان کے گوشۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کہا گیا تھا وہ جھوٹ تھا۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا،

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا (الآیۃ)

"کیا رسولوں نے یہ گمان کیا کہ انہیں جھوٹ کہا گیا تھا؟"

انہوں نے فرمایا۔

مَعَاذَ اللّٰہِ! لَمْ تَکُنِ الرُّسُلُ تَظُنُّ ذٰلِکَ بِرَبِّهَا وَظَنَّتِ الرُّسُلُ اَنَّ اَتْبَاعَهُمْ قَدْ کَذَّبُوْهُمْ

"اللہ کی پناہ! رسولان گرامی اپنے رب کے بارے میں یہ گمان نہیں کر سکتے تھے، رسولوں نے گمان کیا کہ ان کے پیروکاروں نے انہیں جھٹلا دیا ہے۔"

(محمد بن اسماعیل بخاری، امام: بخاری شریف، مطبع رشیدیہ، ہند، ج ۲ ص ۶۸۰)

حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قراءۃ قدکذبوا ہے،

رحمت سے اور لوگوں نے گمان کیا کہ انہیں عذاب وغیرہ کے بارے میں جھوٹ کہا گیا تھا، انبیاء کرام کا دامن عصمت اس خیال سے ہرگز داغ دار نہ تھا۔

۶ ۔ اسلام کے قطعی اور یقینی عقائد کو ملحوظ رکھا جائے اور انہیں ذرا سی ٹھیس بھی نہ لگنے دی جائے، ارشاد ربانی ہے۔

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ ○ (سورۃ الانبیاء ۲۱ /۸۷)

اس کا ترجمہ یہ کیا گیا

"پھر سمجھا نہ پکڑ سکیں گے اس کو"

اس آیت میں سیدنا یونس علیہ السلام کا ذکر ہے، ترجمہ میں ان کی طرف اس امر کی نسبت کی گئی ہے کہ انہوں نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں نہ پکڑ سکے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار ہے، جس کی نسبت حضرت یونس علیہ السلام کی طرف کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے، مغالطہ اس لئے پیدا ہوا کہ قدر یقدر کا استعمال دو معنوں میں ہوتا ہے (۱) قادر ہونا (۲) تنگی کرنا، مترجم نے سمجھا کہ اس جگہ پہلا معنی مراد ہے جو قطعاً غلط ہے، اس موقع کے مطابق اور عصمت انبیاء کے مطابق صرف دوسرا معنی ہے۔

علامہ محمد بن مکرم افریقی فرماتے ہیں :

جس شخص نے اس آیت میں قدر کو قدرت سے ماخوذ مان کر کہا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے یوں گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو نہ پکڑ سکے گا، تو یہ ناجائز ہے اور اس معنی کا گمان کرنا کفر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ

ذال مشدد مکسور کے ساتھ، اس صورت میں معنی یہ ہے کہ رسولوں نے گمان کیا کہ انہیں ان کی قوم کی طرف سے جھٹلا دیا گیا ہے۔

دوسری قراءۃ میں قَدۡ کَذِبُوۡا ہے ذال بغیر تشدید کے، اب اگر ظَنُّوۡا کی ضمیر رسولوں کی طرف راجع کریں تو معنی یہ ہو گا کہ رسولوں نے گمان کیا کہ انہیں جھوٹ کہا گیا، اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ رسولوں کے خیال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں جو کچھ کہا گیا تھا وہ جھوٹ تھا، اسی مطلب کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: "معاذ اللہ" اللہ تعالیٰ کے رسول اپنے رب کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے، ام المومنین کا انکار اس صورت سے متعلق ہے جب کہ ظَنُّوۡا کی ضمیر رسولوں کی طرف راجع کی جائے، ورنہ امام حفص کی قراءۃ میں قَدۡ کُذِبُوۡا ذال کی تخفیف کے ساتھ ہی ہے، اس قراءۃ کے مطابق ظَنُّوۡا کی ضمیر رسولوں کی طرف نہیں بلکہ ان کی قوم کے افراد کی طرف راجع ہے، اب ترجمہ یہ ہو گا کہ لوگوں نے گمان کیا کہ انہیں (رسولوں کی طرف سے) جھوٹ کہا گیا تھا۔

اور اس ترجمہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اس آیت کا جو ترجمہ کیا ہے اہل علم اسے پڑھ کر داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے، ملاحظہ ہو۔

> "یہاں تک جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی اور لوگ سمجھے کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا"
> (کنزالایمان)۔

یعنی رسولوں کی مایوسی ظاہری اسباب سے تھی نہ کہ اللہ تعالیٰ کی

کی قدرت میں ظن کرنا شک ہے اور اس کی قدرت میں شک کرنا کفر ہے،
اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو اس قسم کے گمان سے محفوظ اور
معصوم رکھا ہے، ایسی تاویل وہی کرے گا جو عرب کے کلام اور ان کی
لغات سے جاہل ہو گا، اس تفصیل کے بعد امام احمد رضا بریلوی کا ترجمہ
دیکھئے ایمان تازہ ہو جائے گا۔

"تو گمان کیا (یونس علیہ السلام نے) کہا کہ ہم اس پر
تنگی نہ کریں گے"

ایک دوسری آیت کریمہ دیکھئے

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ
اَرْضِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۝

(سورۃ ابراہیم ۱۴ / ۱۳)

اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:

"ان کفار نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی
زمین سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں
لوٹ آؤ"

"لوٹ آؤ" کا واضح مطلب یہ ہے کہ حضرات رسولان گرامی
علیہم السلام معاذاللہ! پہلے کافروں کے مذہب میں شامل تھے، حالانکہ انبیاء
کرام علیہم السلام کبھی بھی کافروں کے مذہب میں شامل نہیں ہوتے، اس
جگہ مغالطے کی وجہ یہ ہے کہ عاد یعود کا استعمال دو طرح ہوتا ہے۔
(۱) فعل تام، اس وقت اس کا معنی لوٹنا ہوگا (۲) فعل ناقص، اس
وقت یہ صار کے معنی میں ہو گا اور ہو جانے کے معنی پر دلالت کرے گا،
ترجمہ کرنے والے کے سامنے نحو کے مسائل و قواعد مستحضر ہوں

تو وہ غور کرے گا کہ اس جگہ پہلا معنی مناسب ہے یا دوسرا؟ ظاہر ہے کہ مذکورہ ترجمہ میں پہلا معنی مراد لینے کی بنا پر غلطی ہوئی ہے، جب کہ اس جگہ دوسرا معنی مراد اور موزوں ہے، اسی لئے امام احمد رضا بریلوی نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے،

"اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا، ہم ضرور تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین پر آجاؤ" (کنزالایمان)

۷ - قرآن پاک عربی زبان کا وہ شاہکار ہے جو مرتبۂ اعجاز پر فائز ہے، کسی بھی مترجم کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس کا ترجمہ معجزانہ کلام سے کرے، تاہم علم معانی اور بیان کے مسائل و مباحث سے باخبر ایسا ترجمہ تو کر ہی سکتا ہے جس سے اعجاز قرآنی کی جھلک دکھائی دے، اللہ تعالٰی کا فرمان ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ ۝

(سورۃ البقرہ ۲ / ۲)

عام طور پر اس آیت کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا جاتا ہے کہ

"یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں ہے"

اس ترجمہ پر دو سوال وارد ہوتے ہیں۔

۱ - ذلک کی وضع بعید کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے، اس لئے ترجمہ کرتے ہوئے وہ کتاب کہنا چاہیے تھا، نہ کہ یہ کتاب

۲ - "اس میں کوئی شک نہیں" واقع کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن کریم میں بہت سے لوگوں نے شک کیا اور آج بھی ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔

امام احمد رضا بریلوی کا ترجمہ دیکھئے جو اعجاز قرآن کو واضح طور پر آشکارا کرتا ہے۔

"وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں"

(کنزالایمان)

اس ترجمہ پر پہلا سوال تو ظاہر ہے کہ وارد ہی نہیں ہوتا' دوسرے سوال کا جواب بھی دے دیا کہ اگرچہ قرآن پاک کے بارے میں بہت سے لوگوں نے شک کیا ہے' لیکن وہ کوئی شک کی جگہ نہیں ہے' کوئی بھی منصف' عاقل' عربی زبان کے اسلوب اور نزاکتوں سے واقف' اس کا مطالعہ کرے' تو اسے ماننا پڑے گا کہ یہ ربانی کلام ہے' اور انسانی فکر کا نتیجہ نہیں ہے۔

۸ ۔ جس زبان میں ترجمہ کیا جائے' اس کے اسلوب اور مزاج کو پیش نظر رکھا جائے' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِیٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا

(سورۃ تحریم ۶۶ / ۱۲)

اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے

"اور مریم بیٹی عمران کی' جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو"

یہ امر محتاج بیان نہیں ہے کہ اس ترجمہ میں زبان اردو کے مزاج کو ملحوظ نہیں رکھا گیا' اس کی بجائے یہ ترجمہ کتنا دلکش ہے۔

"اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی"

۹ ۔ قرآن پاک میں بیان کردہ کسی بھی واقعے کی واقعی تفصیلات سے

آگاہی ضروری ہے، ورنہ ترجمہ کرتے وقت کہیں بھی غلطی واقع ہو سکتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

فَقَالَ اِنِّیۡۤ اَحۡبَبۡتُ حُبَّ الۡخَیۡرِ عَنۡ ذِکۡرِ رَبِّیۡ حَتّٰی تَوَارَتۡ بِالۡحِجَابِ رُدُّوۡهَا عَلَیَّ فَطَفِقَ مَسۡحًۢا بِالسُّوۡقِ وَالۡاَعۡنَاقِ (سورہ ص ۳۸ / ۳۳)

عام طور پر مترجمین نے تَوَارَتۡ بِالۡحِجَابِ کا ترجمہ یہ کیا کہ

"سورج چھپ گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی نماز عصر قضا ہو گئی، انہوں نے گھوڑوں کو طلب کیا اور ان کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹ دیں"

اس ترجمہ پر دو سوال وارد ہوتے ہیں :

۱ ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کو ملاحظہ فرما رہے تھے کہ نماز قضا ہو گئی، اس میں گھوڑوں کا کیا قصور تھا ؟ کہ انہیں ہلاک کر دیا گیا۔

۲ ۔ گھوڑوں کی گردنیں اور ٹانگیں کاٹ کر مال کے ضائع کرنے کا کیا جواز تھا؟ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ تمام گھوڑے خیرات کر دیتے۔

امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا

عَنۡ ذِکۡرِ رَبِّیۡ مِنۡ ذِکۡرِ طَفِقَ مَسۡحًا یَمۡسَحُ اَعۡرَافَ الۡخَیۡلِ وَ عَرَاقِیۡبَهَا ○

(محمد بن اسماعیل بخاری، امام : صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۱۰)

یعنی عن بمعنی من ہے اور طَفِقَ مَسۡحًا کا معنی یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کی ایال (گردن کے بالوں) اور ان کے ٹخنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

اس اقتباس سے واضح ہو گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کو ہلاک نہیں کیا تھا' جب یہ حقیقت ہی نظروں سے اوجھل ہو تو ترجمہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ آیئے صحیح ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"تو سلیمان نے کہا' مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے' اپنے رب کی یاد کے لئے' پھر انہیں چلانے کا حکم دیا یہاں تک کہ نگاہ سے پردے میں چھپ گئے' پھر حکم دیا انہیں میرے پاس واپس لاؤ' تو ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا" (کنزالایمان)

غرض یہ کہ قرآن پاک ایسی عظیم الشان اور لافانی کتاب کا ترجمہ کرنا ہر کس و ناکس اور ہر عالم کا کام نہیں ہے' مترجم کے لئے جو امور ضروری ہیں ان کا مختصر تذکرہ آپ کے سامنے پیش کیا ہے' اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن پاک کے پڑھنے' اسے سمجھنے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے' آمین بِحُرۡمَةِ سَيِّدِ الْمُرۡسَلِيۡنَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ

رضا اکیڈمی لاہور

شعبہ جات پر ایک نظر

- جامع مسجد رضا
- مدرسہ ضیاء الاسلام
- رضا فری ڈسپنسری
- تقریباتِ رضا
- رضا لائبریری
- نشر و اشاعتِ رضا

◎

کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

جامع مسجد رضا

مسجد کی اہمیت و عظمت سے کون واقف نہیں۔ تبلیغِ اسلام کے لئے مسجد کو مرکزی حیثیت حاصل ہے کسی بھی دینی ادارے کی کامیابی کے لئے مسجد کا وجود ضروری ہے۔ سیّدِ عالم نبی مکرم رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے سفرِ ہجرت میں مقام قبا پر پہنچتے ہی مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ ابتداء سے انتہا تک تمام تعمیری مراحل میں آپ نے کام انجام دیا۔

گارا، پتھر (اینٹیں) چنائی وغیرہ آپ نے بنفسِ نفیس خود فرمائی، پھر جب مسجدِ نبوی کی تعمیر کا مرحلہ آیا تو بنیاد سے تعمیر کی تکمیل تک صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ساتھ لئے کام سر انجام دیتے رہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسجدِ نبوی اسلام کا مرکز قرار پائی۔ جہاد کا آغاز ہوا تو جہاں جہاں لشکرِ مصطفےٰ نے پڑاؤ ڈالا۔ کیمپ لگائے، وہیں مساجد کی صورت میں یادگاریں قائم ہوتی گئیں۔ اسی طرح جب مسلمان تاجروں اور بادشاہوں نے بین الاقوامی سطح پر تجارت کو فروغ دیا اور مفتوح ممالک کی باگ ڈور سنبھالی تو ان نیک بختوں نے تبلیغ اسلام کو مستقل بنیاد پر مستحکم بنانے کے لئے مساجد کی تعمیر کو اولیّت دی۔ آج روئے زمین پر کوئی ایسا ملک نہیں جہاں "مسجد" کا وجود نہ ہو جو شعائرِ اسلام میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔

رضا اکیڈمی نے اپنے تبلیغی مشن کی ترقی کے لئے سنّتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جامع مسجد رضا کی تعمیر کو بھی اپنا مطمحِ نظر بنایا۔ بحمدہٖ تعالیٰ اس کی تین منزلیں مکمل ہو چکی ہیں۔ گو رقبہ کے لحاظ سے زیادہ وسیع و عریض نہیں مگر اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے باعث علاقہ بھر میں مرکزی شان سے معروف ہے۔ جامع مسجد رضا حسن و خوبصورتی جمال و دلکشی میں مثالی ہے اس کی تکمیل پر تقریباً دس لاکھ روپے سے زائد کا تخمینہ ہے۔

؎ خوشا مسجد و مدرسہ و خانقاہے   کہ در وے بود قیل و قالِ محمد

مدرسہ ضیاءالاسلام

یہ مدرسہ!

قطب مدینہ، حضرت مولانا الحاج الشیخ ضیاءالدین احمد قادری مدنی خلیفۂ خاص امام احمد رضا بریلوی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کی ذات ستودہ صفات سے منسوب ہے جہاں، قرآنِ کریم حفظ و ناظرہ کی تعلیم کا اہتمام فنِ تجوید و قرأت کے ساتھ جاری ہے۔ مدرسہ ضیاءالاسلام کو محنتی، قابل، مخلص، تجربہ کار پیکرِ اخلاق نیز تعلیمی و تدریسی اُمور سے دلچسپی رکھنے والے اساتذہ کرام کی خدمات حاصل ہیں جن کے باعث علاقہ بھر میں یہ مدرسہ امتیازی شہرت کا حامل ہے۔

مدرسہ! طلباء کی مُفت تعلیم و تربیّت کے علاوہ ان کے خورد و نوش طعام و قیام ایسی بنیادی ضروریات کا کفیل ہے۔ مقامی و بیرونی طلباء کی کثیر تعداد مدرسہ ضیاءالاسلام سے ضیاباد ہو رہی ہے۔ انتظامیہ کی آرزُو ہے کہ وسائل کی ترقی کے ساتھ ساتھ مدرسہ کو بھی مزید وُسعت دی جائے گی۔

لہٰذا اہلِ خیر! رضا اکیڈیمی کے دیگر شعبہ جات کی طرح مدرسہ کی اعانت میں اپنا کردار ادا کرنے کی طرف بھی قدم بڑھائیں۔ اس طرح وہ مذہبی و قومی فریضہ سے بأحسنِ وجوہ سبکدوش ہونے کی سعادت حاصل کر پائیں گے۔

چرمہائے قربانی، صدقات و خیرات اور دیگر عطیات مدرسہ ضیاءالاسلام کے لئے وقف کر کے عنداللہ ماجُور ہوں۔ نیز حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی رُوحانی خوشنودی و مُسرّت کے سدا بہار پھُولوں سے دامن بھرنے کی سعی فرمائیں آپ کی معمُولی سی توجّہ مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار انجام دے سکتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ توفیقِ رفیق عطا فرمائے۔ آمین!

رضا فری ڈسپنسری

رضا اکیڈیمی نے وسیع پیمانے پر تو نہیں البتہ محدود وسائل کے مطابق علاقہ کے غریب عوام کی دیرینہ خواہش کو پورا کرتے ہوئے رضا فری ڈسپنسری قائم کی ہے۔ جہاں سے روزانہ بیسیوں، بے سہارا اور نادار افراد علاج معالجہ کی فری سہولت سے استفادہ کرتے ہیں۔ ہنگامی حالت میں امیر ہو یا غریب ہر کوئی مستفیض ہو سکتا ہے۔ اس شعبہ میں نہایت تجربہ کار ڈاکٹر مخلص، ہمدرد عملہ مریضوں کی خدمت کے لئے متعیّن ہے۔

محترم ڈاکٹر صاحب کی ہمدردی، عملہ کی مُستعدی اور ادویات وغیرہ دیگر متعلقہ سامان کی فراہمی میں معاونین کی خصوصی توجہ اس شعبہ کی کامیابی کا بنیادی سبب ہے۔ تین چار سال کی مختصر مُدّت میں دو لاکھ سے زائد بیمار رضا فری ڈسپنسری سے علاج کی سہولت حاصل کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہر انسان کو رُوحانی و جسمانی صحت و تندرستی کی نعمت عطا فرمائے۔ آمین!

رضا لائبریری

کتاب چھوٹی ہو یا بڑی اس کی اہمیت ہوتی ہے اگر قدردان کے ہاتھ میں ہو تو یہ تبلیغ واشاعت کا نہایت مؤثر ذریعہ ہے۔ جہاں مُبلّغ نہیں پہنچ سکتے وہاں کتاب اثر دکھاتی ہے ذرائع ابلاغ میں قلم کو بڑا عروج حاصل ہے اور تحریر میں جتنا حُسن، دلکشی اور سوز ہو اتنا ہی اس کا دائرۂ اثر وسیع ہوتا ہے نیز جہاں سینکڑوں اہلِ قلم کے شہ پارے جمع ہوں وہاں کیسی عجیب کیفیت ہو گی ؟ بیک وقت صاحبِ ذوق مطالعہ کا شوقین اپنی پسند کے جواہر پاروں سے استفادہ کر سکتا ہے۔ اس اہمیت کو اہلِ علم وفن اور قدردانِ قلم نے صدیوں سے جانا پہچانا اور دار الکتب، دار المطالعہ یا آج کل کی اصطلاح میں لائبریری کا نام دیا۔ لہٰذا لائبریری ہر انسان کے ذوق کا مداوا کرتی ہے جس شہر میں لائبریری ہو گی۔ وہاں علم وفن اور ادب سے لگاؤ پیدا ہو گا۔ اسی چیز کے پیشِ نظر رضا اکیڈیمی نے رضا لائبریری کا اہتمام کیا ہے۔ اس مشن کو ترقی دینے کے لئے اہلِ دل اور اہلِ محبت نے کتب کے عطیات اور مالی تعاون سے نوازا۔

ہم بیرونی سطح پر ان اداروں کو توجہ رضا لائبریری کی طرف مبذول کراتے ہیں کہ اپنے فیاض دل کو حرکت میں لاتے ہوئے رضا لائبریری کو کُتب سے نوازیں۔ تاکہ یہ جلد ہی ایک عظیم الشان لائبریری کی صورت میں مِلّت کے نوجوانوں کے جذبۂ ایثار و قربانی کو مہمیز کا کام دے سکے۔

رضا اکیڈیمی لاہور

آپ اپنا فرض ادا کیجئے!

رضا اکیڈمی لاہور کے شعبہ جات کی کارکردگی آپ کے پیش نظر ہے اس کے تبلیغی و تعمیری منصوبے اور عوامی فلاح و بہبود کے پروگرام، نیز نشر و اشاعت کی اسکیم آپ کے سامنے ہے۔ ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے آپ پر بھی فرض ہے کہ ان شعبوں کی کامیابی کے لئے مقدور بھر کوشش کریں اور وقت کی اہم ضرورت کا احساس کرتے ہوئے کارکنانِ ادارہ کا ساتھ دیں۔

اگر آپ عالمِ دین اور مبلّغ اسلام ہیں تو اپنی تبلیغی صلاحیت ادارہ کے لئے وقف فرمائیں اگر آپ استاد، پروفیسر، ڈاکٹر یا اہلِ قلم ہیں تو آپ خدمتِ اسلام اور عوامی فلاح و بہبود میں بہت عمدہ تعمیری کردار انجام دے سکتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال و دولت کی نعمت سے نوازا ہے تو آپ رضا اکیڈمی سے ہر قسم کا مالی تعاون کر کے نعمتِ الٰہیہ کا عمدہ طریقہ سے شکریہ ادا کر سکتے ہیں۔

اگر آپ تاجر یا دوکاندار ہیں تو اپنے منافع کا کچھ حصّہ بطور خیرات و عطیات مرحمت فرما کر اپنے تبلیغی فرض سے گھر بیٹھے سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ غرضیکہ آپ زندگی کے جس شعبہ سے بھی متعلق ہیں۔ رضا اکیڈمی لاہور کا تعارف کرائیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور کامیابی کی دعا فرمائیں۔ خصوصاً اکناف و اطراف جامع مسجد رضا سے درخواست ہے کہ خیرات، چرمہائے قربانی اور عطیات وغیرہ سے ادارہ کا تعاون کرتے رہیں۔

ترسیلِ معاونت

رضا اکیڈمی لاہور

اکاؤنٹ نمبر ۹۳۸/۳۸ حبیب بنک وسن پورہ برانچ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ایمان افروز، روح پرور اور دلکش
کتابیں
البریلویہ پر تنقیدی جائزہ ——— علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری مدظلہ
انوارِ شریعت ——— علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی مدظلہ
دعوتِ فکر ——— علامہ محمد منشا تابش قصوری مدظلہ
مالک و مختار نبی صلی اللہ علیہ وسلم ——— امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ
شرح حدائقِ بخشش (حصہ چہارم) ——— علامہ فیض احمد اویسی مدظلہ
بزمِ اولیاء (ترجمہ روض الریاحین) ——— امام یافعی علیہ الرحمۃ
رضا دار الاشاعت
Ph : 7650440
Res : 7284500
7284243
۲۵۔ نشتر روڈ، لاہور، پاکستان فون

اُجرت پر قرآن خوانی
سوال:- ثواب رسانی کی نیت سے قرآن مجید پڑھ کر
اس پر اُجرت لینا اور دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک
قرآن مجید پڑھ کر چالیس درہم سے کم اُجرت لینا، اور
پڑھوانے کے لیے چالیس درہم سے کم اجرت دینا
جائز ہے یا نہیں؟
الجواب:- ثواب رسانی کے لیے قرآنِ عظیم پڑھنے
پر اُجرت لینا اور دینا دونوں ناجائز، چالیس درہم
اُجرت محض بے اصل ہے!
امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ